ادب وثقافت

فنگر پرنٹس: ابن صفی کی قلمی جولانیاں

ابن صفی کے ناولوں میں حیات وکائنات کے مختلف موضوعات کو سمیٹا گیا ہے، انسان اور فلسفۂ زندگی کو سمجھنے اور اپنے پڑھنے والوں کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ ابن صفی کے ناولوں کو ادب عالیہ میں شامل کرنا ہی بہتر رہے گا۔ ہم اسے محض پاپولر کہہ کر نظر انداز نہیں کر سکتے۔

عبدالحئی

ابتدائے آفرینش سے آج تک خیر وشر کا مقابلہ ہوتا رہا ہے اور اس میں ہار ہمیشہ شر کی ہوئی ہے کیونکہ جس دن شر جیت گیا تو شاید وہ اس جہان کا آخری دن ہوگا اور پھر دنیا ختم ہوجائے گی۔ اسی لیے جتنی بھی تحریریں لکھی جاتی ہیں ان میں خیر کو فتح سے ہمکنار کرایا جاتا ہے تاکہ دنیا میں سچ، امن سکون اور شانتی قائم کی جاسکے۔ ابن صفی نے بھی اپنے ناولوں میں یہی انداز اپنایا ہے۔ ان کے ویلن، خواہ کتنے ہی مضبوط کیوں نہ ہوں، وہ قانون کے مضبوط پنجے سے نہیں بچ سکتے اور اپنے کیفر کردار کو ضرور پہنچیں گے۔ جاسوسی یا سری ادب اپنے آپ میں نہایت سنجیدہ ادب ہے۔ اگاتھا کرسٹی، جیمس ہیڈلے چیز اور دیگر مغربی ناول نگاروں کے ناولوں کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ذہن پر کافی زور دینا پڑتا ہے۔ جب کہ ابن صفی نے ایسے سنجیدہ ادب میں بھی مزاح کی ضرورت کو محسوس کیا اور اپنے کرداروں کی شوخی اور ظرافت سے بہت سارے مسئلے چٹکی میں حل کروالیے۔ ابن صفی اردو ادب کے سب سے زیادہ مقبول ناول نگار ہیں۔ میں نے لفظ اردو ادب استعمال کیا ہے جاسوسی یا پاپولر ادب نہیں کیوں کہ موجودہ دور ابن صفی کی مقبولیت کا دور ہے اور ان کی تحریریں جاسوسی ہونے کی وجہ سے محض پاپولر ادب میں نہیں رکھی جاسکتی ہیں۔ ابن صفی کے ناولوں میں حیات وکائنات کے مختلف موضوعات کو سمیٹا گیا ہے، انسان اور فلسفہ زندگی کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اپنے معاشرے کی اپنے پڑھنے والوں کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے اس لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ ابن صفی کے ناولوں کو ادب عالیہ میں شامل کرنا ہی بہتر رہے گا۔ ہم اسے محض پاپولر کہہ کر نظر انداز نہیں کرسکتے۔ ابن صفی کی شخصیت اور خدمات پر ایک درجن سے زائد کتابیں چھپ چکی ہیں۔ ان پر ملک وبیرون ملک قومی وعالمی سطح کے سمینار ہوچکے ہیں۔ ان کے کردار فریدی، حمید اور عمران آج لاکھوں دلوں میں بستے ہیں۔ اردو کی نئی پناہ گاہوں انٹرنیٹ، سوشل میڈیا مختلف ویب سائٹ، فیس بک اور واٹس اپ کے گروپوں پر ابن صفی کے چاہنے والوں کی تعداد ہزاروں لاکھوں میں ہے اور ان سے محبت کا جنون یہ ہے کہ ان کے ناولوں اور ان کے کرداروں کے ناموں پر لوگ اپنا نام رکھتے ہیں۔ کوئی پرنس آف ڈھمپ ہے تو کوئی رانا تہور علی بنا پھرتا ہے۔ کوئی خود کو صحرائی دیوانہ کہتا ہے تو کوئی کرنل ہارڈ اسٹون بن گیا ہے۔ کچھ کے نام ایکس ٹو اور بلیک زیرو بھی ہیں۔ یہی نہیں ابن صفی کے چاہنے والوں نے اپنی جماعت کا نام صفیانے رکھا ہوا ہے۔ بھلا بتائیے کہ اردو کے کس ناول نگار کو اتنی عزت، شہرت اور مقبولیت ملی ہے۔ ٹکساس یونیورسٹی کے استاد میکس بروس نادر جو کسی زمانے میں لکھنو میں میرے شاگرد رہے تھے، ابن صفی سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ میکس بروس نے اردو زبان محض شوق کی خاطر سیکھنا شروع کی۔ انھیں اردو شاعری سے کافی دلچسپی ہے اور آج وہ اردو زبان وادب پر کافی دسترس رکھتے ہیں۔ شاعری بھی کرتے ہیں اور اپنا تخلص نادر رکھا ہے۔ فی الحال یونیورسٹی آف ٹکساس میں اردو زبان کے استاد ہیں اور ابن صفی پر وہاں باضابطہ ایک کورس کا آغاز کیا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، منشی سجاد حسین، کرشن چندر، شوکت تھانوی، عظیم بیگ چغتائی یا دیگر ناول نگاروں کی تحریریں پڑھ لیں۔ جس طرح کا مزاحیہ انداز انھوں نے اختیار کیا ہے وہ ابن صفی کے ناولوں میں بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ خوجی، ظاہر دار بیگ، حاجی بغلول، چچا چھکن، غفور میاں اور گوہر مرزا کے کردار آج اگر بے مثال اور لازوال ہیں تو ابن صفی کے کردار عمران، جوزف، قاسم، حمید وغیرہ کو جاننے والوں کی تعداد لاکھوں میں پہنچتی ہے اور یہ کردار بھی آج امر ہوچکے ہیں۔

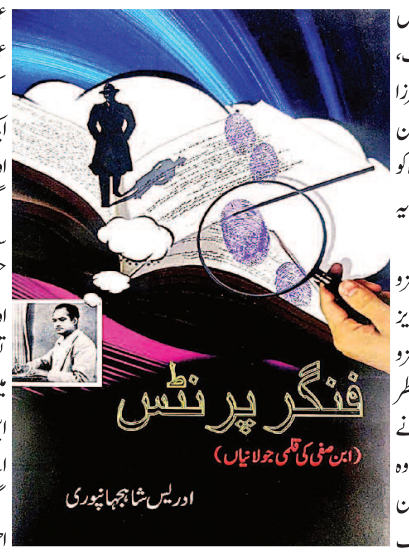

ابن صفی کے تقریباً تمام ناولوں میں ہمیں طنز و مزاح مل جاتا ہے۔ جاسوسی دنیا اور عمران سیریز دونوں کے پلاٹ اور کردار مختلف رہے ہیں اور طنز و مزاح کے موضوعات میں بھی تکرار کا شائبہ نہیں نظر آتا۔ ابن صفی نے اپنے کرداروں کی تخلیق کرنے میں تخیل کی جس بلند پروازی سے کام لیا ہے وہ صرف ابن صفی ہی کرسکتا تھا۔ فریدی، حمید اور عمران کو چھوڑ دیں تو قاسم، جوزف، جیمسن اور ظفر الملک جیسے لازوال کردار تخلیق کرنے کا سہرا ابن صفی کے سر جاتا ہے۔ اپنے کردار کو جہاں وہ ایک عام انسان کی طرح پیش کرتے ہیں وہیں ان کی ناہموار شخصیت اور تہہ داری کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ گلہری خانم، گلرخ یا ثریا سبھی کے کردار کچھ ایسے بن پڑے ہیں کہ وہ اپنے آپ میں مکمل ہیں۔ مونگ کی دال اور شراب کی چھ بوتلوں کی بات کریں تو ابن صفی نے ان کو اپنے مزاحیہ پیرائے میں کچھ اِس طرح ڈھال دیا ہے کہ قاری بے اختیار قہقہہ لگانے پر مجبور ہوجائے۔ ابن صفی نے بازاری پن، پھبتی کسنے یا پھکڑ پن سے احتراز کیا ہے اور ناولوں میں زیادہ سے زیادہ ایسی زبان استعمال کی جو ہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ مذاق اور ہنسی کے دوران کرتے ہیں۔ ناولوں کا مطالعہ کرتے ہوئے کئی مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ارے یہ تو ہمارے ساتھ بھی ہوا ہے۔ سرسید کی عام فہم نثر کی تحریک کو سب سے زیادہ جس ادیب نے عام کیا وہ ابن صفی تھے۔ نہ ہی انھوں نے دیومالائی اور مافوق الفطرت عناصر کا سہارا لیا اور نہ ہی انہیں فحش نگاری کرنی پڑی۔

آخر کیا وجہ ہے کہ ایسے ادیب کو ناقدین نے قابل اعتنا نہ سمجھا اور ادب کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔ میں ادب میں کسی تخصیص کا قائل نہیں ہوں لیکن جب بات ادب عالیہ اور پاپولر ادب کی ہوتی ہے تو افسوس ہوتا ہے کہ آخر ابن صفی کی تحریروں میں کیا کمی تھی جس کی وجہ سے انھیں جاسوسی ادب تک محدود کردیا گیا۔ گذشتہ سو برسوں کا زمانہ دیکھ لیں یا اردو ادب کے آغاز سے لے کر ابھی تک کا عہد دیکھ لیں، عمران جیسا لافانی کردار نہیں ملے گا جس پر آج بھی ناول لکھے جارہے ہیں۔ یہ شہرت ومقبولیت ابن صفی کے حصے میں آئی کہ انھوں نے عمران کو پیدا کیا اور عمران نے درجنوں لکھاریوں کو کامیابی دلائی اور عمران سیریز لکھ کر وہ مشہور ہوئے۔ عمران محض ایک کردار نہیں رہا بلکہ ادیبوں نے، پبلشروں نے اسے ایک پروڈکٹ کی طرح استعمال کیا، عمران کامیابی اور شہرت کا ایک برانڈ بن گیا۔ فیس بک گروپ دی گریٹ ابن صفی فینز کلب کے ممبران طاہر جبران، سید اسد عادل، ابراہیم جمالی، ڈاکٹر حامد حسن، یاسر حسنین، مرزا صہیب اکرام، ملک فرح، محسن قاضی اور سید فہد حسینی وغیرہ کی تیار کردہ فہرست کے مطابق تقریباً 134 قلم کاروں نے عمران کے کردار کو مرکز میں رکھ کر ناول تحریر کیے ہیں۔ جن میں نجمہ صفی، این صفی، ایچ اقبال، مظہر کلیم، ارشاد الحصر جعفری، ایم اے راحت، مشتاق احمد قریشی، ظہیر احمد، سید علی حسن گیلانی، محی الدین نواب، شکیل انجم، انور صدیقی، احمد فاروق، وید پرکاش شرما جیسے کئی نام یہاں پیش کیے جاسکتے ہیں۔ خود ایم اے راحت نے کئی ناموں سے عمران سیریز لکھی تھی۔ اردو کے کئی اہم ادیبوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ انھوں نے اردو ابن صفی کی بدولت سیکھی اور ان کے ناولوں کی وجہ سے ان کی اردو نکھر گئی اور بعد میں وہ ادب عالیہ کے اہم ستون بن گئے، اور بات جب خود ابن صفی کے ادب عالیہ میں شامل کرنے کی ہوتی ہے تو ناقدین چپ ہوجاتے ہیں جب کہ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو ادب کی جو بھی تاریخ لکھی جائے اس میں ابن صفی کا بطور خاص ذکر ہونا چاہئے کیوں کہ اردو کی کوئی بھی تاریخ ابن صفی کے ذکر کے بغیر ادھوری مانی جائے گی۔ ابھی کچھ مہینوں قبل ادیب آن لائن کے ایک پروگرام میں ماہر اقبالیات اور ابن صفی کے ناولوں پر دانش منزل اور رانا پیلس جیسی کتابوں کے خالق خرم علی شفیق نے بڑی اچھی بات کہی تھی کہ ابن صفی کے قارئین نے انھیں مقبولیت عطا کی اور اردو زبان میں ان کی شناخت مستحکم کی۔ ابن صفی کو بھلے ناقدین نے نظر انداز کیا لیکن ابن صفی کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم سب اردو والے ابن صفی کو تسلیم کرلیں کہ وہ ادب کا ایک حصہ ہیں اور انھیں نصاب میں بھی شامل کرایا جائے تاکہ نئی نسل اور آنے والی نسلیں قانون کا احترام کرنا سیکھیں، حب الوطنی سیکھیں اور معاشرے میں ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ عام ہو۔

ابن صفی کے چاہنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ معروف ناقد ومحقق شمس الرحمٰن فاروقی، پروفیسر گوپی چند نارنگ، پروفیسر عقیل ہاشمی، پروفیسر سید سجاد حسین، ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی، مشتاق احمد قریشی، خرم علی شفیق، شکیل عادل زادہ، محمد حنیف، پروفیسر مجاہد حسین حسینی، عقیل عباس جعفری، امجد اسلام امجد، حسن کمال، پروفیسر خالد جاوید، کرسٹینا آسٹر ہیلڈ، نصرت ظہیر، عارف اقبال، راشد اشرف، لئیق رضوی، مناظر عاشق ہرگانوی، میکس بروس نادر، ادریس شاہجہاں پوری جیسے درجنوں قلم کاروں نے ابن صفی کی عظمت کو تسلیم کیا اور ابن صفی کی ادبی حیثیت مضبوط کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان سب ناموں میں بھی اگر چند نام ایسے لیے جائیں جنھوں نے ابن صفی کو اکیسویں صدی میں زندہ رکھنے کی کوشش کی ہے تو اس میں شمس الرحمن فاروقی، پروفیسر خالد جاوید، مشتاق احمد قریشی، خرم علی شفیق، راشد اشرف، عارف اقبال اور ادریس شاہجہاں پوری کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان ناموں کے علاوہ فیس بک اور واٹس اپ پر ابن صفی سے جنون کی حد تک چاہنے والوں کے ناموں کو یہاں لکھا جائے تو صرف ناموں سے کئی صفحات بھر جائیں گے۔ ان سبھی نے اپنی اپنی سطح پر ابن صفی کو Re-Establish کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہاں میرا موضوع گفتگو ادریس شاہجہاں پوری کی کتاب فنگر پرنٹس ہے۔ 800 صفحات پر مشتمل اس کتاب کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ادریس صاحب نے کس قدر خون جگر صرف کیا ہے۔ ان کا ایک مضمون عمران: احمق ترین عقل مند میری ادارت میں شائع ہونے والے رسالے فکر وتحقیق، میں شائع ہوا تھا۔ مضمون پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ ابن صفی کی محبت کم نہیں ہوئی ہے اور اب یہ کتاب دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ خان صاحب ابن صفی کے عشق میں پور پور ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے جاسوسی دنیا اور نکہت پبلی کیشنز کے تحت شائع ہونے والے تمام ناولوں کے سرا وراق کو جمع کردیا ہے اور ان کے حوالے سے تمام معلومات بھی درج کردی ہیں۔ ایک دفعہ ان کا فون آیا اور انھوں نے بتایا کہ وہ ابن صفی کے ناولوں کے پرانے ایڈیشن کے سرا وراق تلاش کررہے ہیں، اس وقت مجھے یہ لگا کہ آخر ٹائٹل جمع کرکے کیا کریں گے۔ اب جب یہ کتاب دیکھی تو تو اندازہ ہوا کہ انھوں نے ابن صفی پر مکمل انسائکلو پیڈیا ترتیب دے دیا ہے۔ روایتی انداز کی کتابوں سے ہٹ کر یہ کتاب ابن صفی شناسی کے میدان میں میل کا پتھر ثابت ہوگی۔ کتاب کا آغاز پیش تحریر سے ہوتا ہے جس میں ادریس صاحب نے اپنے بچپن کے حالات لکھے ہیں اور کتاب کی غرض وغایت بیان کی ہے۔ پیش تحریر سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب ان کی چھ برسوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔

ابن صفی کے حوالے سے لکھی گئی یہ کتاب اس لحاظ سے معتبر کہی جائے گی کہ ادریس صاحب نے ان کے تمام ناولوں کے حالات وواقعات اور مختصر تفصیلات جمع کردی ہیں اور گویا دریا کو کوزے میں بند کرنے کا کام کیا ہے۔ کتاب پڑھ کر قاری بخوبی ابن صفی کی انفرادیت اور امتیازات سے واقف ہوجائے گا۔ یہ کتاب ادریس شاہجہاں پوری کی علمی وتحقیقی ریاضت کا عمدہ نقش ہے اور ابن صفی پر تحقیق کرنے والوں کے بھی بہت مفید ثابت ہوگی۔ ■

اسسٹنٹ پروفیسر سی، ایم کالج، دربھنگہ، بہار

گوپی چند نارنگ کی یاد میں

یاد آئے گی ہمیشہ مسکراہٹ آپ کی
ہر قدم محسوس ہوگی دل پہ آہٹ آپ کی
غم کے بادل چھا گئے دُنیا اندھیری ہوگئی
آپ کے جانے سے رُخصت ہر خوشی بھی ہوگئی
تھے لگی میرے لیے مجھ کو تھی آسانی بہت
جب تلک کہ آپ تھے کرتا تھا من مانی بہت
کہہ رہے ہیں آنکھ سے آنسو مرے بہتے ہوئے
دِل لرزتا ہے مرا اب الوداع کہتے ہوئے
کیا کِیا جائے کہ دنیا کا یہی دستور ہے
جو بھی آیا ہے یہاں وہ جانے پہ مجبور ہے
ہم بھی پیچھے آ رہے ہیں اور کچھ دن بعد کو
کس طرح بھولیں گے ہم لیکن تمھاری یاد کو
دِل تمھاری یاد سے خالی نہیں ہوگا کبھی
آپ جیسا اب کوئی ساتھی نہیں ہوگا کبھی
آپ تھے ہمدرد سب کے دل پہ سب کے چھا گئے
جاتے جاتے آپ ہم کو غم انوکھا دے گئے

سیفی سرونجی (سہ ماہی 'انتساب عالمی' سرونج)

تعارف کتب

ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی

اگر تم مجھ سے کہہ دیتے

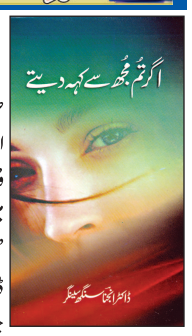

صداقت کا شجاعت کا میں جھنڈا لے کے چلتی ہوں
الہ آبادی ہوں سانسوں میں، میں گنگا لے کے چلتی ہوں
وطن سے پیار کرنے کا مرا جذبہ نرالا ہے
میں اپنے دل کی دھڑکن میں ترنگا لے کے چلتی ہوں

'اگر تم مجھ سے کہہ دیتے' اکبر الہ آبادی کی سرزمین سے تعلق رکھنے والی شاعرہ ڈاکٹر انجنا سنگھ سینگر کا شعری مجموعہ ہے۔ اس سے قبل ان کی دو کتابیں، جگنو کی جنگ اور من کے پنکھ ہندی میں شائع ہوکر مقبولیت کی سند حاصل کرچکی ہیں۔ اگر تم مجھ سے کہہ دیتے' ان کی غزلوں، نظموں اور قطعات پر مشتمل مجموعہ ہے۔ ڈاکٹر انجنا سنگھ نے یوں تو کئی اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی ہیں مگر انہیں زیادہ شہرت غزل کی وجہ سے ملی ہے۔ وہ بہترین شاعری کی بدولت مشاعروں میں بھی اپنی پہچان بنا چکی ہیں۔ جہاں ان کے کلام غور سے سنے جاتے ہیں، سنجیدہ سامعین دیر تک انہیں سنتے ہیں اور ان کی شاعری سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ برصغیر کے مشہور ومعروف شعرا، ادبا نے ڈاکٹر انجنا کے کلام کی نہ صرف ستائش کی ہے بلکہ انہیں خواتین کی نمائندہ شاعر کہا ہے۔ 'اگر تم مجھ سے کہہ دیتے' کی بات کریں تو اس میں بے شمار ایسے اشعار جو دیر تک دلوں دماغ پر چھائے رہتے ہیں، ڈاکٹر انجنا کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے بہت ہی آسان زبان میں اپنی بات کہی ہے، اپنے تخیلات کا انتہائی سادگی مگر شائستہ انداز میں اظہار کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ منور رانا، وجیندر سنگھ پرواز، راجکمار دھروویدی، چندر بھوشن سنگھ، ڈاکٹر فرقان احمد سردھنوی نے ان کے کلام کی ستائش کی ہے اور صنف نازک کی نسوانی آواز قرار دیا ہے۔

یہ دنیا ہے یہاں بیٹھے بٹھائے کچھ نہیں ملتا ◆ جو طوفانوں سے لڑتا ہے اسی کا نام ہوتا ہے
زمانے بھر کی یہ دولت مجھے اچھی نہیں لگتی ◆ کھلونے پھر سے مٹی کے بنانا چاہتی ہوں میں

اس قسم کی شاعری سے اپنے نوجوانوں کو نصیحت کرنے والی شاعرہ انجنا سنگھ سینگر نے بچپن، جوانی، گاؤں کا حسن، کھیت، کھلیان، مٹی، کھلونے، دھوپ چھاؤں کو موضع بنایا ہے اس کے علاوہ جو کچھ انہوں نے محسوس کیا سماج میں دیکھا اس پر کھل کر بات کی اور اپنے احساسات کو نامعلوم گوشوں اور کیفیتوں کو بہ زبان شاعری ظاہر کردیا۔ ڈاکٹر فرقان سردھنوی فرماتے ہیں کہ: 'انجنا سنگھ آسمان ادب پر ابھرنے والی وہ ستارہ ہیں جن کی ضیا بار کرنیں جہان شعر وادب کو یقینا تابنا کی بخشیں گی۔'' کتابت اور طباعت میں حسن اور معیار کا مکمل خیال رکھا گیا ہے۔ بہت خوبصورت اور دیدہ زیب سرورق سے سجا یہ شعری مجموعہ، 95۔ بی۔ سیکٹر 92 نوئیڈا سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ رابطہ کا نمبر: 7522864838

دھوپ اور سائبان

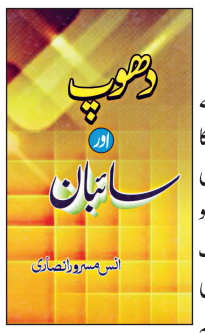

تقریبا نصف صدی سے قلم وقرطاس سے اپنا رشتہ استوار رکھنے والے ادیب ومصنف جناب انس مسرور انصاری صاحب کے مضامین کا مجموعہ ہے ''دھوپ اور سائبان''۔ اس کتاب میں ۸؍مضامین شامل ہیں جن میں قصبہ ٹانڈہ کا جغرافیائی وتاریخی اور علمی منظر نامہ، جدید اردو غزل، صنف رباعی اور اس کا فن، تعمیری ادب، اردو زبان سے منسلک تمدن اور تہذیبی وراثت، اردو شعرو ادب میں صفر کی معنویت، کرانکا ودمنا کا اور آخری مضمون لیوٹالسٹائے۔۔۔ ایک مطالعہ ہے۔ مذکورہ عناوین سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مصنف کا مشاہدہ کتنا گہرا اور مطالعہ کتنا وسیع ہے۔ انہوں نے جس موضوع کو بھی چھوا ہے اس پر مدلل بحث کرتے ہوئے اظہار خیال کیا ہے۔ دھوپ اور سائبان میں شامل مضامین کا مطالعہ کریں تو قارئین خود یہ نتیجہ اخذ کرگے کہ انہوں نے کسی بھی مضمون کو آدھا، ادھورا، ناقص اور تشنہ نہیں چھوڑا ہے، بلکہ اپنے فکر اور نظریے کے مطابق بہتر انجام تک پہنچایا ہے۔ اس کی وجہ صاف ہے وہ خود لکھتے ہیں کہ میں کتب ورسائل کے مطالعہ کا بے حد عادی ہوں اور چونکہ میرے یہاں تخلیقی وتحقیقی عوامل کا سلسلہ بھی برابر جاری رہتا ہے اس لئے مجھے منظوم ومنثور تخلیقات میں ترمیم وتنسیخ اور حذف واضافہ کی ضرورت بار بار محسوس ہوتی رہتی ہے اور حسب ضرورت میں ان میں ترمیم وتنسیخ اور ضروری اضافے بھی کرتا رہتا ہوں۔

جو قلم کار اپنی کاوشوں پر اتنی محنت کرتا ہو، وہ بھی انس مسرور جیسا کہنہ مشق اور تجربہ کار مصنف جن کی دو درجن سے زائد کتابیں شائع ہوچکی ہیں، تو ایسے تخلیق کار کے قلم سے نکلنے والا مواد کتنا قیمتی اور جامع ہوگا یہ کہنے کی بات نہیں۔ مثال کے طور پر 'صنف رباعی اور اس کا فن' کو دیکھیں، ان کا یہ مضمون جملہ خوبیوں سے مزین ہے جس میں فن کی تعریف، تشریح، توضیح، اردو زبان وادب میں فن کے مقام و مرتبے کا تعین، رباعی گو شعراء کے خاکے اور ان کے منتخب کلام کو پیش کرنے کے ساتھ اپنا بہترین تجزیہ پیش کیا ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ رباعی ہمیشہ ہماری بہترین معاون و مددگار رہوئی ہے ایسا کیوں ہے؟ ایسا اس لئے ہے کہ اختصار بیانی اور جامعیت میں صنف سخن اپنی مثال آپ ہے۔ اسی طرح کتاب میں شامل ان کے دیگر مضامین بھی جامع اور مکمل ہیں جن سے ادب کے طالب علم واساتذہ استفادہ کرسکتے ہیں۔ یہ کتاب قومی اردو تحریک فاؤنڈیشن سکراول، اردو بازار، ٹانڈہ ضلع امبیڈکر نگر یوپی سے حاصل کریں۔ رابطہ کا نمبر: 9453347784

ڈاکٹر تنویر احمد علوی

ہندوستانی تہذیبی روایت کا ستون

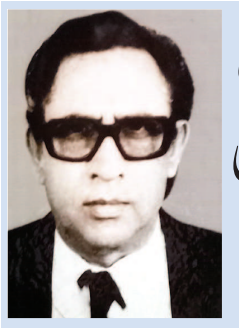

ڈاکٹر شمر جہاں

اردو زبان وادب کے مشہور محقق ودانشور تنویر احمد علوی کی شخصیت مختلف الجہات ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۶ جولائی ۱۹۲۳ کو مغربی اتر پردیش کے ایک تاریخی قصبے کیرانہ (ضلع مظفر نگر) کے ایک معزز خاندان میں ہوئی۔ آپ کے والد عربی وفارسی کے جید عالم اور پیشے سے حکیم تھے۔ بچپن ہی میں آپ والدین کے سایہ سے محروم ہوگئے۔ اس لیے بچپن کا یہ سنہری دور سخت آزمائشوں اور مشکلوں میں گزرا۔ خاندانی روایت کے تحت آپ نے قرآن حفظ کیا اور فارسی کی تعلیم کے لیے انہیں دارالعلوم دیوبند بھیج دیا گیا۔ جہاں آپ نے فارسی زبان میں امتیازی نمبر حاصل کیے۔ اس کے بعد فن طب کے کورس کے لیے پٹیالہ کے طبیہ کالج میں داخلہ لیا لیکن آپ کو اس پیشے سے دلی وابستگی نہ ہوسکی جبکہ فن طب میں آپ نے گولڈ میڈل حاصل کیا۔ اسی زمانے میں اردو شاعری سے دلچسپی پیدا ہوئی اور ۱۸ برس کی عمر میں پہلی نظم 'نذر شباب' کے نام سے لکھی جو رسالہ نگار میں شائع ہوئی۔ اس وقت کے ادبی رسائل نگار، نیرنگ خیال، ایشیا اور آج کل میں تہذیبی وثقافتی مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ تنویر احمد علوی کے مطابق ان رسائل کے ادبی مطالعے کا ان کے ذہن پر گہرا نقش قائم ہوا۔

ادبی مطالعے کے شوق نے آگے پڑھنے کا جذبہ پیدا کیا اور اسی جذبہ اور لگن کے ساتھ سخت معاشی مشکلوں کے ساتھ میٹرک سے ایم اے تک کے امتحانات پاس کیے۔ اور پی ایچ ڈی کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پہنچے۔ ذوق، سوانح اور انتقاد کے حوالے سے مقالہ لکھا۔ جو مجلس ترقی اردو ادب سے شائع ہوا۔ اس زمانے میں یہ ایک بڑا اعزاز تھا۔

۱۹۶۰ میں بطور لیکچرار دلی کالج میں تقرر ہوا۔ گویا ان کی محنت اور لگن کو ایک منزل مل گئی۔ ادبی مطالعے کا ذوق اب اور بھی زیادہ ہوگیا۔ مجلس ترقی ادب لاہور کی فرمائش پر محنت اور لگن سے کلیات ذوق اور کلیات شاہ نصیر کی تدوین کی جو یہی سے ہی شائع ہوئے۔ آپ کی شہرت ہندوستان اور پاکستان میں خوب ہوئی۔ ۱۹۷۲ء میں جامعہ کالج میں بحیثیت ریڈر پہلے صدر شعبہ اردو بنے۔ دو برس تک وہاں علمی خدمات کے فرض انجام دے کر کسی سبب واپس دلی کالج آگئے۔ ۱۹۷۸ میں ریڈر کی حیثیت سے دلی یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے اور پھر یہیں سے سبک دوش ہوئے۔

آپ کی تخلیقی تصانیفات کا جایزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو تاریخ وتہذیب سے گہرا شغف تھا۔ ادب کے مطالعے کے ساتھ ہندوستان کی تاریخی عمارتوں کے عہد ادبی سماجی وثقافتی پس منظر پر بھی عبور حاصل تھا۔ اس سلسلے میں آپ کی عمر کے آخری دور کی تصنیف ''مغربی ایشیا میں ہمارا تہذیبی ورثہ'' ہے۔ جو ایشائی ممالک کی قدیم تاریخ، مذہبی عقائد اور سماجی روایت کے پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ یہ نادر تصنیف تنویر احمد علوی کے زندگی بھر کے علمی مطالعے کا سرچشمہ ہے۔ جس میں ہندوستانی روایت و عقائد کا بیان قدیم تہذیبوں کے مطالعے پر مبنی ہے اور آریائی تہذیب، دراوڑ تہذیب، مصری اور عیلامی تہذیب کا بھی مجموعی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ مقام حیرت ہے کہ زندگی کی گوناگوں مصروفیات کے ساتھ اتنا عمیق مطالعہ تنویر احمد علوی صاحب نے کب اور کیسے کیا۔ جس میں نہ صرف قرآن، صحیفوں کا ذکر ہے بلکہ گیتا، رامائن، مہابھارت، بائبل اور انجیل سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ جس کا واضح مقصد دیگر مذاہب میں آپسی اتحاد اور یک جہتی کے احساس کو واضح کرنا ہے۔ دور حاضر میں مختلف اقوام میں آپسی اتحاد اور انسان دوستی کے جذبے کے لیے کام کرنے والے ایسے اہل قلم نایاب ہیں۔ ہندوستان کی تاریخی عمارتوں کے حوالے سے آپ کی ایک مختصر تصنیف ''ہماری تاریخی عمارتیں'' ہیں۔ جو آزادی کے پچاس برس کے جشن میں نیشنل بک ٹرسٹ نے شائع کی ہے۔ جس میں ہندوستان کی تاریخی عمارتوں کا مختصر مگر جامع احاطہ کیا گیا ہے۔ تنویر احمد علوی کی ایک اہم تحقیق اردو میں بارہ ماسہ کی روایت کا ادبی ولسانی مطالعہ ہے۔ جس میں انھوں نے ہندوستان کے مختلف قصبات میں گائے جانے والے لوک گیتوں سے اردو کے قاری کو روشناس کرایا ہے۔ اس نادر تصنیف میں چودہ بارہ ماسوں کے متن اور ان کے مصنف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اردو ادب میں اب تک اتنے بارہ ماسوں کو متعارف کرانے کا شرف تنویر احمد علوی کو حاصل ہے۔

ہندی میں ان کی شعری تخلیق پریے سندیش ہے۔ جو سنسکرت کے معروف شاعر کالی داس کی تخلیق میگھ دوت کا تہذیبی مطالعہ ہے۔ ہندی اور اردو زبان میں میگھ دوت کا لفظی ترجمہ ہوچکا تھا لیکن تنویر احمد علوی نے اس تصنیف کو ہندی زبان میں ہندوستانی تہذیبی وادبی مطالعہ فکر سے ایک نئی جہت عطا کی۔ اردو ادب کے ایک معروف محقق ہونے کے بعد بھی انھیں میگھ دوت کے تہذیبی مطالعہ کے لیے اردو زبان کی فضا ہموار محسوس نہ ہوئی بلکہ انھوں نے اس کے لیے ہندی زبان کا سہارا لیا جس سے کالی داس کے زمانے کی ادبی وسماجی زندگی کو قریب سے محسوس کرسکیں۔ اردو ادب میں غالبا کسی محقق نے ہندی وسنسکرت ادب کا مطالعہ اتنی گہرائی سے کیا ہو اور شاید ہی برسوں کسی تصنیف کے سحر میں کھو کر اسے ایک نئی جہت سے پیش کیا ہو۔ تنویر احمد علوی کو اپنی تمام تصانیف میں اس شعری تصنیف پر بڑا فخر تھا جس کا اعتراف انھوں نے اپنے سوانح کوائف میں کیا ہے۔

تنویر احمد علوی کی شخصیت مشرقی روایت کا امین تھی۔ زندگی کے ساٹھ ستر برس انھوں نے پڑھنے اور پڑھانے میں گزارے۔ جتنا ان کا وسیع المطالعہ ذہن تھا۔ اتنا ہی وہ اپنے طلبا کو علم بانٹ کر تشفی حاصل کرتے تھے۔ دلی کالج سے وابستگی کے ساتھ اپنے گھر پر بھی شاگروں اور دوست احباب کی علمی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ دولت ثروت، اثر واقتدار سے انھیں کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اردو زبان وادب کی خدمت ہی ان کی زندگی کا مقصد حیات تھا۔ تحقیق وتنقید کے دبستان میں خود کو کسی بھی خاکے میں بانٹ کر نہیں رکھا۔ ہر عہد کے ادب کو آزاد ذہن سے پڑھا۔ اور ایک متوازن خیال پیش کیا۔ زندگی بھر کسی ازم کے پابند نہیں ہوئے۔ نہ ہی کسی ایسے ایسے رسالے یا ادارے سے وابستہ ہوئے، جس کے ذریعے کسی اونچے مرتبے یا مقام تک پہنچ پاتے۔ ۱۹۹۰ میں دلی یونیورسٹی سے سبک دوش ہونے کے بعد ۲۳ برس تک حیات رہے۔ لیکن گھر پر بھی درس وتدریس کا سلسلہ آخری وقت تک جاری رہا۔ ان کی شخصیت علم وادب کا ایک نور تھی۔ جس کی شعاعوں سے اہل علم کھنچے چلے آتے تھے۔ ان کا گھر علم وتہذیب کا گہوارہ تھا۔ جہاں ہر تشنہ طالب علم سیراب ہوکر جاتا تھا۔ اردو ادب میں ایسے بے لوث محقق کے جانے سے ایک عہد اور ایک دبستان کا خاتمہ ہوگیا۔ لیکن اردو زبان وادب انھوں نے اپنی ذہنی بصیرت سے جو اضافہ کیا ہے۔ اس کی قدر قیمت ہر عہد اور زمانے میں مسلم رہے گی۔ اہل علم کو آپ کی شخصیت اور ادبی خدمات پر فخر ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کالم غزل کا

مصداق اعظمی

ماں، پوسٹ مجواں، پھولپور، اعظم گڑھ

اک ضرورت ہے جو تحویل تک آ پہنچی ہے
ہر حقیقت یہاں تمثیل تک آ پہنچی ہے
اب اخوت پہ بھروسہ نہیں کرتی دنیا
آگہی نیتِ قابیل تک آ پہنچی ہے
اے مرے مونس وغمخوار مجھے مرنے دے
بات اب حکم کی تعمیل تک آ پہنچی ہے
اب سخنور ہی نہیں خود کو مصور لکھیے
شاعری اب فنِ تشکیل تک آ پہنچی ہے
کوششِ